30842 ـ ارامكو كمپنى ميں سيونگ سسٹم كا نظام اور اس كے متعلق فتاوى جات ميں اختلاف كے بارے ميں موقف

سوال

ہم ارامكو سعودى كمپنى ميں ملازم ہيں، ہم بھى ايك مسلمان كى طرح شرعى اور حلال مال حاصل كرنا اہم سمجھتے ہيں، اللہ جانتا ہے كہ ہم ان آخرى ايام ميں كتنے پريشان ہيں، ممكن ہے سعودى ارامكو كمپنى كے سيونگ سسٹم كے متعلق آپ كو كچھ معلومات حاصل ہوں (كمپنى مجھے ترغيب ديتى ہے كہ ميں ان كے پاس كچھ رقم جمع كرواتا رہوں جو مجھے ريٹائرمنٹ يا كمپنى ميں كام چھوڑنے كے وقت پنش كى صورت ميں ملے گى) چنانچہ پنشن ميرى مدتِ ملازمت كے مطابق خاص تناسب كى بنياد پر بنے گى، مثال كے طور پر :
اگر ميرى مكمل حصہ دارى 100000 ريال ہو اور كمپنى ميں ميرى ملازمت دس برس ہو تو ميرى سيونگ 100000ايك لاكھ ريال ہو گى۔ اور اگر ميرى ملازمت كى مدت سات برس ہو تو ميرى سيونگ 100000 ميں سے صرف 70 % ستر فيصد ہو گى جو كہ 70000 ريال ہے۔
پہلے تو ہميں يہى معلوم تھا كہ يہ نظام شرعى طور پر حرام ہے اور دائمى فتوى كميٹى كے علماء كا فتوى يہى ہے، ليكن كچھ دن پہلے عبداللہ بن منيع حفظہ اللہ تعالى كى جانب سے ايك فتوى آيا ہے كہ يہ نظام جائز ہے، تو ہم حيرانى ميں پڑھ گئے ، اب ہميں نہيں معلوم كہ ہم دائمى فتوى كميٹى كا فتوى مانيں اور اس پر عمل كريں يا ماہراقتصاديات شيخ منيع كے فتوى كو تسليم كرتے ہوئے اس پر عمل كريں ؟

پسنديده جواب

الحمد للہ.

اول:

ارامكو كمپنى ميں سيونگ كے جس نظام پر عمل كيا جا رہا ہے وہ حرام اور صريحا سود ہے، كيونكہ اس ميں قرض كے بدلے ميں نفع ديا جاتا ہے، اس ليے كہ جس نے ايك لاكھ ريال ديا تا كہ وہ دس يا سات برس كے بعد يا اس كے علاوہ كسى اور مدت كے بعد واپس لے اور اس كے ساتھ اضافتا اسے (مكافاۃ) يعنى پنشن جس كى مقدار ايك لاكھ يا ستر ہزار ريال يا ايك ريال بھى ہو ملے گا، يہ صريحا سود ہے جس كے حرام ہونے كے بارے ميں اجماع ہے۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ كہتے ہيں:

(كوئى بھى قرض جس ميں شرط ركھى گئى ہو كہ رقم واپس كرتے وقت زيادہ دے گا بغير كسى اختلاف كے حرام ہے،

ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس پر سب کا اجماع ہے کہ جب قرض خواہ ، مقروض شخص پر زیادہ یا ہدیہ دینے کی شرط لگا کر قرض دے، تو یہ سود ہے۔

اور ابی بن کعب اور ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی منافع کے بدلے میں قرض دینے کو منع قرار دیا ہے)

"المغنی" (6 / 436)

اگر کمپنی اس نظام کو ادخار (جمع کرنا) یا سرمایہ کاری ، اور مضاربت جیسے نام دے تو ان ناموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ ہر وہ سرمایہ کاری جس میں رأس المال کی ضمانت دی جائے وہ قرض شمار ہوتا ہے، اگرچہ لوگ اسے کوئی اور نام دیتے رہیں، چنانچہ اعتبار تو اشیاء کی حقیقت کا ہوتا ہے نہ کہ ان کے نام کا۔

اور جائز سرمایہ کاری، یا بچت، یا ادخار کے کئی بنیادی ضوابط ہیں، جن میں سے اہم یہ ہیں:

1 ۔ یہ کہ مال آپ کا ہو، اور کام دوسرے فریق کا، اور اگر فریقِ ثانی اپنی محنت کے ساتھ مالی حصہ بھی ڈالنا چاہے تو کوئی حرج نہیں۔

2 ۔ یہ کہ سرمایہ کاری کسی مباح کام میں ہو اور آپ کے علم میں ہو، کیونکہ غالب طور پر یہ کمپنیاں سودی بنکوں میں رقم رکھ کر سرمایہ کاری کرتی ہیں، یا پھر ایسے پراجیکٹ شروع کرتی ہیں جو مباح اور جائز نہیں ہوتے۔

3 ۔ دونوں فریق منافع کی نسبت پر اتفاق کریں، نہ کہ رأس المال سے، مثلا: آپ کو منافع میں سے پچاس فیصد یا دس فیصد ملے۔

4 ۔ مضاربت پر کام کرنے والا شخص آپ کے لیے رأس المال کی ضمانت نہ دے، بلکہ جب (کوتاہی کے بغیر) خسارہ ہو جائے تو خسارہ آپ کے مال میں ہو گا اور وہ اپنی محنت کا نقصان برداشت کریگا۔

اور جب رأس المال کی ضمانت دی جائے تو معاملہ قرض بن جائے گا، جس کی منافع کے بغیر ادائیگی کرنا ضروری ہے، اور اگر اس میں زیادہ کی شرط رکھی جائے تو وہ سود ہے۔

اللہ تعالی سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہم سے سود اور اس کے خطرات کو دور کرے اور ہمیں حرام کی بجائے حلال کمائی کے ساتھ غنی کردے۔

حاصل یہ ہوا کہ ارامکو کمپنی میں رأس المال کی ضمانت ہونے کی وجہ سے پایا جانے والا سیونگ سسٹم (یعنی جمع کرانےاور پھر پنشن کی شکل میں واپس لینے) کا نظام حرام ہے، اور اس لیے بھی کہ منافع کی شرح فیصد رأس المال

کیساتھ محدود ہے، تو یہ اس صورت میں منافع کے ساتھ قرض بنے گا، اور اس لیے بھی کہ جس جگہ سرمایہ کاری کی جارہی ہے وہ مجہول ہے اس کا علم نہیں۔

دائمی فتوی کمیٹی نے ملازم کو کمپنی سے ملنے والے مکافأہ (پنشن) کے باطل ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسکی وجہ یہ بتلائی ہے کہ یہ مکافأہ (پنشن) صرف اسے ملتا ہے جو پیسے جمع کروائے، اور اگر یہ صرف مکافأہ ہی ہوتا تو سب ملازمین کو دیا جاتا۔

اور جیسا کہ سائل نے ذکر بھی کیا ہےکہ :

شیخ ابن باز رحمہ اللہ تعالی کی سربراہی میں دائمی فتوی کمیٹی کے علماء نے جن میں شیخ عبدالرزاق عفیفی، اور شیخ عبد اللہ بن غدیان، اور شیخ عبد اللہ بن قعود جو کہ کبار علماء کرام میں شامل ہوتے ہیں ،ان سے ارامکو کمپنی میں ادخار یعنی سیونگ سسٹم کے متعلق سوال کیا گیا تو ان کا جواب تھا:

" ارامکو کمپنی میں پائے جانے والے سیونگ سسٹم میں شراکت حرام ہے، اس لیے کہ اس میں رباالفضل اور ربا النسا (ادھار اور زیادہ سود دونوں) پایا جاتا ہے، اور یہ اس لیے کہ اس میں سود کی نسبت محدود اور مقرر کردہ ہے جو کہ جمع کرائے گئے مال پر سعودی ملازم کےلیے پانچ فیصد سے لیکر سو فیصد تك ہے، اور اسی طرح (تنخواہ سے) جمع کراونے والے ملازم کو مکافاۃ یعنی پنشن کی شکل میں کچھ دیا جاتا ہے جبکہ جمع نہ کروانے والے کو کچھ نہیں دیا جاتا، جیسا کہ انہوں نے اپنے سیونگ سسٹم میں بیان کیا ہے۔

ماخوذ از: "فتاوی اللجنۃ الدائمۃ "(13 / 510 - 515)

اور اسی طرح شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم نے بھی ارامکو کمپنی کے سیونگ سسٹم کے متعلق حرمت کا فتوی دیا ہے۔

دوم:

جب کسی مسئلہ کے شرعی حکم کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہو جائے تو فتوی لینے والے کو چاہیے کہ وہ فریقین کے دلائل کو دیکھتے ہوئے حق جاننے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرے، اور دلائل کی بنا پر جو اسے راجح معلوم ہوتا ہو اس پر عمل کرے، یہ تو اس وقت ہے جب فتوی لینے والا طالب علم ہو اور ترجیح کی قدرت رکھتا ہو۔

لیکن اگر وہ شرعی علم میں عدم تخصص کی بنا پر ترجیح نہیں دے سکتا تو اسے چاہیے کہ وہ بڑے اور قابلِ اعتماد عالم کی بات کو لے اور اس پر عمل کرے، لیکن عامی آدمی کو مختلف اقوال میں سے مرضی سے اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اور ہمارے اس مسئلہ میں واضح ہو گیا ہے کہ کبار علمائے کرام نے حرمت کا فتوی دیا ہے، اور مخالفین کے مقابلے میں یہی زیادہ علم رکھنے والے اور قابلِ اعتماد ہیں ۔ اس مخالفت کو ہم باعث جرح نہیں بناتے۔ اس لیے آپ پر واجب اور ضروری ہے کہ آپ مذکورہ بالا دلائل اور تفصیل کی بنا اس نظام سے دور رہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ تعالی سے علمائے کرام کے اختلاف کے متعلق ایك مسلمان کے موقف کے بارے میں سوال کیا گیا تو ان کا جواب تھا:

" جب مسلمان کے پاس اتنا علم ہو کہ وہ علمائے کرام کے اقوال کے مابین دلائل کے ساتھ موازنہ اور مقارنہ کرسکے اور ان میں ترجیح دے سکے اور زیادہ صحیح اور راجح کو معلوم کرسکے تو اس پر ایسا کرنا واجب اور ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے متنازع امور کو کتاب و سنت پر پیش کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً

تو اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ تعالی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوالنساء (59)

لہذا اختلاف کردہ مسائل کو کتاب و سنت کی طرف لوٹایا جائے گا اور دلیل کے ساتھ جو راجح ہو اسے لے لیا جائے گا، کیونکہ واجب اور ضروری تو دلیل کی اتباع ہے، اور علمائے کرام کے اقوال دلائل سمجھنے کے لیے صرف معاون ہوتے ہیں۔

اور اگر مسلمان شخص کے پاس اتنا علم نہیں کہ اس سے وہ علمائے کرام کے اقوال کے مابین ترجیح دے سکے، تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ ان اہل علم سے سوال کرے جن کے علم اور دین پر اسے اعتماد ہو، اور وہ اسے جو فتوی دیں اس پر عمل کرے۔

چنانچہ فرمان باری تعالی ہے:

فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ

تو اگر تم علم نہیں رکھتے تو اہل علم سے دریافت کرو الانبیاء (43)

اور علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ عام آدمی کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اسکے مفتی کا مذہب ہو۔

لہذا جب اہل علم کے اقوال میں اختلاف ہو تو وہ سب سے زیادہ قابلِ اعتماد اور صاحبِ علم شخص کی بات مانے، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کو کوئی بیماری لاحق ہو تو وہ احتیاط کرتے ہوئے سب سے زیادہ ماہر ،

قابلِ اعتماد اور تجربہ کار ڈاکٹر کو تلاش کرتا اور اس کے پاس جاتا ہے کیونکہ وہ دوسروں کی بنسبت صحیح کے زیادہ قریب ہے، تو پھر دینی معاملات تو دنیاوی امور سے زیادہ احتیاط کے قابل ہیں۔

لیکن کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ علمائے کرام کے اقوال میں سے ایسا حق مخالف قول اختیار کرے جو اس کی خواہش کے موافق ہو ، اور نہ ہی اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ایسے علمائے کرام سے فتوی حاصل کرے جنہیں دیکھتا ہے کہ وہ مسائل اور فتوی میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔

بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اپنے دین کے لیےاحتیاط سے کام لے اور ایسے علمائے کرام سے مسائل دریافت کرے جو زیادہ سے زیادہ علم رکھنے والے ہوں، خوفِ الہی و خشیت رکھیں "۔ انتہی

دیکھیں: "اختلاف العلماء اسبابہ و موقفنا منہ "صفحہ (23)، مزید تفصیل کے لیے آپ سوال نمبر (22652) کے جواب کا مطالعہ کریں۔

پھر مسلمان شخص کے لیے ضروری اور واجب ہے کہ وہ ایسے شخص سے فتوی لینے سے اجتناب کرے جو تساہل سے کام لینے میں معروف ہو اور اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے قابلِ اعتماد علمائے کرام کی مخالفت کرنے میں مشہور و معروف ہو۔

اسی طرح مسلمان کو خواہشات نفس کی اتباع اور پیروی کرنے اور ان فتووں کو لینے اور ان پر عمل کرنے سے بچنا چاہیے جو اس کی خواہشات کے موافق ہوں اور جو اس کا دل چاہتا ہو اس کی موافقت کریں، کیونکہ مسلمان شخص سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ خواہشات نفس کی مخالفت کرے۔

فرمان باری تعالی ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى

اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روك دیا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے

واللہ اعلم .